ادب، مزاحمت اور عصر اقبال کا عصر حاضر سے رشتہ

ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر*

Abstract

Iqbal was born in the colonial age of subcontinent. He did not accept the slavish nature of his society. He resisted and criticized especially the poets of subcontinent because of their passive attitude towards life. In his opinion a poet has the ability to change the destiny of his society and nation. Due to their state forward style of expression and leading capability iqbal were great confessor of Arabic poetry. This article reveals that iqbal was a keen resistant of his slavish society which has resemblance with our society.

یہ بحث تو گزشتہ صدی اپنے ساتھ لے گئی کہ ادب برائے ادب بہتر ہے یا ادب برائے زندگی، صرف اسی ایک موضوع پر ہزار طرح کی بحث ہوئی، نتیجہ کوئی نکلنا تھا نہ نکلا، وجہ یہ ہے کہ ان دونوں تصورات یا صورتوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی دو جمع دو چار یا ایک جمع تین چار۔ دونوں جواب درست ہیں ادب کا تعلق زندگی سے ہے، تو ادبیات اور اسی طرح فنون کی کوئی بھی صورت زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ افادیت اور اثر ضرور رکھتی ہے۔ اقبال نے ادبی تخلیقات اور فنون لطیفہ کے رجحانات سے بس ایک ہی مطالبہ کیا تھا کہ وہ زندگی کو کسی نہ کسی صورت میں بہتر کرنے کی کوشش کا عنوان بن سکیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کسی تحقیقی مقالے کی ضرورت نہیں کہ ادب سے اکتساب کی سطح ہر فرد میں مختلف اور بعض اوقات منفرد ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ادبی رجحان یا فنون لطیفہ کی کسی صورت کا ابلاغ انفرادی اور اجتماعی مفاد کو نشانہ نہ بنائے تو اس کی افادیت کی وجوہ کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے عہد کی طرح اکیسویں صدی کے شعرا کے ہاں بھی احتجاج کی سطح اور اس سطح کی مقبولیت کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاشرتی انتشار، ذہنی تلاطم اور عدم مساوات اور ناانصافی کے مظاہر اپنا کام کر رہے ہیں۔ احمد فراز کی احتجاجی شاعری بالخصوص اواخر عمر کی جدوجہد اور زندگی کے آخری مشاعرے میں پیش کی جانے والی منظومات اس کی عکاسی کرتی ہیں۔

عصرِ اقبال کا سب سے بڑا دکھ غلامی کا تھا، غلامی نے دانش کی ہر سطح پر اپنا اثر دکھایا تھا لیکن احتجاج اور مزاحمت

---

*ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اپنا راستہ بنا رہی تھی، بانگ درا کے پہلے حصے میں ایک نظم 'پرندے کی فریاد' اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ بچوں کے لیے لکھی گئی اس نظم میں ایک غلام ملک کے شاعر نے غلامی کے خلاف اپنے احتجاج کے لیے ایک انوکھی صورت اختیار کی۔ چند شعر دیکھیے:

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا، اپنی خوشی سے جانا
کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں ، میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار، کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اور یہ شعر دیکھیے:

اس قید میں الٰہی! دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں
آزاد مجھ کو کردے ،او قید کرنے والے!
میں بے زبان ہوں قیدی ، تو چھوڑ کر دعا لے (۱)

اگرچہ اقبال جانتے تھے کہ قید کرنے والا صرف دعا کے عوض آزادی واپس نہیں کیا کرتا۔

یہ نظم ۱۹۰۵ء سے پہلے کی ہے، ۱۹۴۱ء میں شائع ہونے والے فیض احمد فیض کے مجموعہ کلام 'نقش فریادی' کے حصہ دوم میں کہ جہاں شاعر غمِ دل کی کیفیت سے گریز کرتے ہوئے غم جہاں کی اقلیم میں داخل ہو رہا ہے، غلامی کے خلاف مزاحمت کا ایک انداز دیکھیے۔ نظم کا نام حیرت انگیز ہے، یعنی 'کتے'۔

یہ ہر ایک کی ٹھوکریں کھانے والے
یہ فاقوں سے اکتا کے مر جانے والے
یہ مظلوم ، مخلوق گر سر اٹھائے
تو انسان سب سرکشی بھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنا لیں

یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبا لیں(۲)

حالانکہ یہ فیض احمد فیض کا عمومی انداز نہیں ہے، وہ نرم رو، دھیمے مزاج کے فنکار تھے، سخت بات بھی نرم انداز میں کرتے تھے۔ عصر اقبال، اقبال کا ابلاغ، اس ابلاغ کے جملہ عنوانات سب کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ اقبال کے سامنے کیا کیا مشکلات رہی ہوں گی لیکن انھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ابلاغ اور اس اشاعت کے سلسلے میں انھوں نے کسی رکاوٹ کو قریب نہ آنے دیا۔ وہ اپنی کتب کی اشاعت کا اہتمام خود کرتے، کاتب کا انتخاب، خط کی پسند، اور اس ضمن میں فنی رموز پر توجہ یہ سب کچھ ساتھ ساتھ چلتا رہتا۔ دوسری طرف انگریز بھی اقبال کے ابلاغ اور اس کی ترسیل کی مختلف صورتوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اقبال کی بیشتر اردو فارسی نظموں کے سب سے پہلے انگریزی تراجم اس دور میں' سی آئی ڈی' نام کے محکمے نے کرائے تھے۔ اس ایک بات سے یہ اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ غروب آفتاب سے ناآشنا سلطنت ایک شاعر سے کس قدر خوفزدہ تھی اور جیسا کہ تاریخ نے ثابت کیا، یہ خوف کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

ایک شاعر اور اس کے حلقہ اثر کی اس اہمیت کے پیش نظر اقبال چاہتے تھے فن کی طاقت کو ضرر رساں بنانے سے گریز کیا جائے۔ ایک شاعر دراصل اپنے عہد کی ذہنی تاریخ رقم کر رہا ہوتا ہے۔ حقیقت اور تصور، اس کی اقلیم سخن میں ایک جیسا منصب رکھتے ہیں۔ ہاں ہر عہد کے شاعر کے انداز و بیان میں فرق ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اب یہ دیکھیے کہ اقبال کی 'تنہائی' اور فیض کی 'تنہائی' کی سطح میں واضح فرق ہے، دونوں نظمیں اپنے عہد کے مزاج کی عکاسی کرتی ہیں۔

یا پھر اقبال کا یہ گلہ کہ "ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس" اور فیض کی نظم "موضوع سخن" دونوں کا مطالبہ اور اس مطالبے میں چھپا رنج ایک ہے۔ اقبال ایک شاعر اور مفکر کے منصب کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے اقبال نے کسی ایسے موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا جو حیات اجتماعیہ انسانیہ کو متاثر کر سکتا ہو۔ اگر غور کیا جائے تو آپ کا فلسفیانہ تفکر خودی کی احسن طریقے سے تعمیر و تشکیل اور بے خودی کے ذریعے معاون و منصفانہ جماعت یا معاشرے کی تشکیل کے گرد گھومتا ہے، کہ جہاں آزادانہ طریقے سے، ایک دوسرے کی معاونت اور مدد کرتے ہوئے زندگی بسر کر سکیں اور ان کا مطمح نظر آفاقی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال ایسے افرادِ معاشرہ کے لیے زندہ ادب اور عظمت ساز فنونِ لطیفہ تجویز کرتے ہیں۔ افراد و معاشرے کی نفسیات پر جتنا اثر انداز ادب ہوتا ہے اتنا کوئی دوسری چیز نہیں اور یہی شعر و ادب جس قسم کی نفسی و روحانی کیفیات معاشرے میں پیدا کرتے ہیں ان کا اظہار معاشرے کے فنونِ لطیفہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ گویا اگر پست اخلاقیات کو ابھارنے والا شعر و ادب معاشرے میں مقبول کر دیا جائے تو لازم ہے کہ ان کا اثر فنون لطیفہ از

قسم مصوری، فنِ تعمیر، گائیکی و نقاشی وغیرہ پر پڑے گا۔ ایسا ادب و فن کاہلی و سستی، آرام پسندی، عیش کوشی، لذت پرستی اور انہی وجوہ پر موقع پرستی، حق تلفی الغرض نفسا نفسی کی صورت حال کو جنم دے گا اور معاشرے کی عمارت دھڑام سے نیچے آن گرے گی۔

اقبال نے نظم و نثر دونوں میں ایسے اصول و ضوابط مربوط طور پر پیش کیے ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکیں کہ وہ کس قسم کے ادب و فنون لطیفہ کے حامی رہے ہیں اس ضمن میں ان کی فکری مساعی ان کی جملہ کتب و مقالات و مکاتیب میں موجود ہے۔ اسرار خودی ۱۹۱۵ء کی پہلی اشاعت میں انھوں کلام حافظ پر سخت انتقاد کیا تھا اس سے ان کا مقصد حافظ کی فنی عظمت یا قادر الکلامی سے انکار نہ تھا کیوں کہ وہ، حافظ کے ساحرانہ کلام کی اثر آفرینی کے تو ہمیشہ سے معترف تھے۔ اپنی ۱۹۱۰ء والی ڈائری میں وہ حافظ کی توصیف یوں رقم کرتے ہیں:

> "ترشے ہوئے ہیروں جیسے آب دار لفظوں میں حافظ نے بلبل کی غیر شعوری روحانیت کی مٹھاس بھر دی ہے۔" **(۳)**

لیکن یہ اعتراف عظمت تنقید کا روپ کیوں اختیار کرتا ہے؟ اقبال وضاحت کرتے ہیں:

> "شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں جہاں تک فن کا تعلق ہے یعنی جو مقصد اور شعر اپوری غزل میں بھی حاصل نہیں کر سکتے خواجہ حافظ ایک لفظ میں حاصل کرتے ہیں اس واسطے کہ وہ انسانی قلب کے راز کو پورے طور سمجھتے ہیں لیکن فردی اور ملی اعتبار سے کسی شاعر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے کوئی معیار ہونا چاہیے میرے نزدیک وہ معیار یہ ہے کہ اگر کسی شاعر کے اشعار اغراض زندگی میں مد ہیں تو وہ اچھا شاعر ہے اور اگر اس کے اشعار زندگی کے منافی ہیں یا زندگی کی قوت کو کمزور اور پست کرنے کا میلان رکھتے ہیں تو وہ شاعر خصوصاً قومی اعتبار سے مضرت رساں ہے۔ ہر شاعر کم و بیش گرد و پیش کی اشیا، عقائد، خیالات و مقاصد کو حسین و جمیل بنا کر دکھانے کی قابلیت رکھتا ہے اور شاعری نام ہی اس کا ہے کہ اشیا و مقاصد کی طرف توجہ ہو اور قلوب ان کی طرف کھینچ آئیں ان معنوں میں ہر شاعر جادو گر ہے فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کا جادو کم چلتا ہے اور کسی کا زیادہ۔ خواجہ حافظ اس اعتبار سے سب سے بڑے ساحر ہیں مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ کون سے مقصد یا حالت یا خیال کو محبوب بناتے ہیں۔۔۔ وہ ایک ایسی کیفیت کو محبوب بناتے ہیں جو اغراض زندگی کے منافی ہے بلکہ زندگی کے لیے مضر ہے جو حالت خواجہ حافظ اپنے

پڑھنے والے کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں (یعنی بہ حیثیت صوفی ہونے کے) وہ حالت افراد و اقوام کے لیے جو اس زمان و مکان کی دنیا میں رہتے ہیں نہایت ہی خطرناک ہے۔ حافظ کی دعوت موت کی طرف ہے جس کو وہ اپنے کمالِ فن سے شیریں کر دیتے ہیں تاکہ مرنے والے کو اپنے دکھ کا احساس نہ ہو۔"(۴)

اس طویل اقتباس سے شعر و ادب سے متعلق یہ نکات سامنے آتے ہیں:

1- اگر شاعر یا فنکار کے اشعار یا فن اغراض زندگی میں معاون ہے تو وہ اچھا شاعر یا فنکار ہے۔

2- اور اگر اس کے اشعار یا فن زندگی کی قوت کو کمزور یا پست کرتے ہیں تو وہ شاعر یا فنکار ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے۔

حافظ پر تنقید کے بطن سے ہم یہ نکتہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ اقبال کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ شعر او ادب او فنکار معاشرے پر اثر انداز ہونے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر ابلاغ کی اس بلاخیز قوت کو راہ راست پر نہ لگایا جائے تو انسانی معاشرتی بہتری کی دوسری تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اس لیے اقبال شعرا اور فنکاروں کے کردار کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے ان کے فلسفہ حیات میں یہ موضوع ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اس ضمن میں اردو کے نامور شاعر مومن خان مومن کے بارے میں اقبال کی رائے کا مطالعہ دلچسپ ہوگا اگرچہ اس رائے کے اظہار میں اقبال نے شدت اختیار کی ہے لیکن اظہار کی اس شدت سے اقبال کی اپنے مقصد سے وابستگی کی سطح کا احساس بھی ہوتا ہے اقبال پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کے نام اپنے ایک مکتوب محررہ ۹ نومبر، ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔ میں نے مومن کو زندگی میں پہلی مرتبہ پڑھا۔ لیکن مجھے اعتراف ہے کہ ان کی شاعری سے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ شاذ و نادر ہی وہ تغزل کے کسی حقیقی جذبے تک پہنچ سکے۔ ان کے خیالات طفلانہ ہیں۔ وہ اکثر اپنے جذبات کے سوقیانہ پن کو چھپانے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کے انداز بیان میں وضاحت کی کمی، ہندوستانی مسلمانوں کے انحطاط پذیر جذبہ حکمرانی کا ایک اہم لیکن اذیت ناک ثبوت بھی ہے۔ صرف حاکم قوم میں اظہار کی وضاحت ایک لازمی امر ہے۔ یہ کیفیت یعنی وضاحت کی کمی جو مومن کے یہاں اس قدر عام ہے، کسی قدر کمی کے ساتھ مومن سے کہیں زیادہ عمیق ذہنوں میں بھی نظر آتی ہے (جیسے غالب اور بیدل) اس مریض قوت ارادی کی دوسری علامات یا نتائج میں قنوطیت اور تصوف بھی شامل ہیں جس میں ابہام سے لطف

اندوز ہوتے ہیں اور تشنہ بیانی کو گہرائی سمجھ کر مزہ لیتے ہیں۔"(۵)

برصغیر کے ادبی رجحانات اقبال کو کچھ زیادہ متاثر نہ کر سکے تھے خاص طور پر ہماری کلاسیکی شاعری میں اقبال کی دلچسپی کا سامان بہت کم تھا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے اقبال کو عربی شاعری سے زیادہ قربت محسوس ہوتی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

"دنیا کی کوئی شاعری اتنی سادہ، دوٹوک اور مردانہ وجاہت سے لبریز نہیں ہے عرب شاعر حقیقت سے نہایت گہرا رابطہ رکھتا ہے۔ رنگینی کلام کی تب وتاب سے وہ بے نیاز ہے۔"(۶)

مولانا شبلی نعمانی شعر العجم کی جلد چہارم کے عنوان'' شاعری کے استعمال'' میں مثالیں دے کر لکھتے ہیں کہ:

"(عرب) قوم کی باگ شعرا کے ہاتھ میں تھی وہ قوم کو جدھر چاہتے تھے جھونک دیتے تھے اور جدھر سے چاہتے تھے روک لیتے تھے۔ افسوس ہے کہ ایران نے کبھی یہ خواب نہیں دیکھا یہاں کے شعرا ابتدا سے غلامی میں پلے اور ہمیشہ غلام رہے اور اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے پیدا ہوتے تھے۔"(۷)

اقبال نے عرب شاعروں کے حیات خیز کردار کو سامنے رکھتے ہوئے فارسی اور اردو شاعری کا رخ ہی بدل دیا انھوں نے شاعری سے وہی کام لیا جو عربی شاعر لیا کرتے تھے گویا ان کا اپنا طرز عمل ہی ان کے نظریہ فن کی غمازی کرتا ہے۔

اقبال کی نظر میں شاعر کا کام موزوں الفاظ پیش کرنا نہیں بلکہ شاعر وہ ہے جو افراد کو بیداری ضمیر دے اسے اس حقیقی دنیا سے باہر نہیں بلکہ اس جہاں میں اور ابنائے نوع کے ساتھ رہنا چاہیے۔۔۔ وہ شاعر جو اپنی تصانیف کے ذریعے اقوام وملل میں بے عملی پیدا کرتے ہیں، دراصل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اقبال کے عہد کے دکھ، اور عصر حاضر کے مسائل ایک شاعر کی نظر سے دیکھیں، تو ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ مزاحمت چاہے مادی اور ارضی غلامی کے خلاف ہو یا ذہنی اور سیاسی غلامی کے خلاف، دونوں میں شدت ہو تو نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ اقبال کے ڈِکشن اور انداز کو فیض احمد فیض اور فیض احمد فیض کے انداز وڈِکشن کو فراز نے آگے بڑھایا ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ حیات سوز شاعری، وقتی مقبولیت حاصل کر بھی لے، بالآخر بے اثر ہو کر مر جاتی ہے، ہاں اپنے ساتھ اپنے عہد کو بھی لے مرے تو دوسری بات ہے، اسی لیے ایک شاعر کو صرف اظہار پر توجہ مرکوز رکھنے کی بجائے، اظہار کے اثرات پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔

حوالے/حواشی

۱۔ محمد اقبال، "کلیات اقبال اردو" لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت ششم، ۱۹۷۱ء ص ۳۸-۳۷

۲۔ فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" ، لاہور: مکتبہ کارواں، س ن، ص ۸۰-۷۹

۳۔ محمد اقبال، "شذرات فکر اقبال"، اردو، مترجم ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، ص ۱۶۷

۴۔ محمد اقبال، "مضمون اسرار خودی اور تصوف"، مشمولہ مقالات اقبال، مرتبہ عبدالواحد معینی، ص ۲۰۶

۵۔ محمد اقبال، " کلیات مکاتیب اقبال"، جلد سوم، مرتبہ منظور حسین برنی ، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۶۴، ۶۶۲

۶۔ محمد اقبال، "شذرات فکر اقبال"، عنوان عربی شاعری، ص ۱۲۶

۷۔ شبلی نعمانی، "شعر العجم"، جلد چہارم، ص ۷۶-۷۵